مجھ پر معزز فرمایا۔ اس آخری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان محض کائنات عالم کے حیوانات، نباتات، جمادات و دیگر مخلوق سماوی و ارضی سے ہی مکرم نہیں ہے بلکہ انسان جیسی دیگر ذی روح و نفس مخلوق جسکو خود انسان اپنے سے بالاتر قوتوں کا مالک تصور کرتا ہے، اس سے بھی مکرم و معزز ہے ۔

نیز کتاب اللہ میں انسان کی تکریم کو ایک دوسرے پیرائے میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کی بہترین اقوام کیساتھ تخلیق کی ہے۔ اور فرمایا ہے، صورکم فاحسن صورکم۔ سورہ تغابن ۳۔ ہم نے تم کو صورت عطا کی تو بہترین صورت عطا کی۔ ظاہر ہے کہ جو صورت کشی ایک مصوّر کے فنّ صورت کشی کا شاہکار ہو مصوّر خود اس کو عزّت کی نظر سے دیکھتا ہے اور دوسروں سے بھی اس عزّت اور وقار کا خواہش مند ہوتا ہے۔ چونکہ آیات مذکورہ صدر کی صراحت سے انسان اسکی قدرت کا بہترین شاہکار ہے۔ اس لئے خداوند تبارک وتعالیٰ کو کسی طرح اسکی تحقیر و تذلیل گوارہ نہیں۔

۷۔ چونکہ انسان اپنی تخلیقی حیثیت میں مالک ہی ہے کائنات میں کسی کا مملوک بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا حتیٰ کہ باختیار خود ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا محل تصرف نہیں قرار دے سکتا۔ البتہ ایسا تصرف انسان کی طرف سے اسوقت کیا جا سکتا ہے جبکہ مالک حقیقی و متصرف کائنات کی جانب سے اسکو بطور نیابت کے ایسا کرنے کا حق دیا گیا ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں حسب ذیل آیات اس امر کی شاہد عادل ہیں کہ انسان کو جمیع کائنات میں تصرّف کا حق دیا گیا ہے۔ اور وہ ان میں ایک مالک کی حیثیت سے تصرف کرسکتا ہے۔ فرمایا ہے: وخلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ (سورۃ البقر ۲۹) اور فرمایا ہے: الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض جمیعاً۔ سورۃ حج ۶۳۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارضی کائنات کو تمہارا مسخر کر دیا ہے۔" اور سورہ نحل کی کثیر آیات میں اس کائنات میں تصرف کی تفاصیل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ فرمایا ہے: اللہ جعل لکم من بیوتکم سکناً وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونها یوم ظعنکم ویوم اقامتکم ومن اصوافها واَوبارِهَا وَاَشعَارِهَا اثاثاً ومتاعاً الی حین۔ الآیۃ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو سکون حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا اور چوپایوں کی کھالوں سے تم خیمے تیار کرتے ہو جنکو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف آسانی سے لے جاتے ہو سفر کی حالت ہو یا قیام کی ہر حالت میں نہایت سبک ہوتے ہیں اور چارپایوں کی اون اور بالوں سے

کتنے ہی مفید اشیاء جو ایک خاص وقت تک کام میں لاتے ہو۔"

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان اُن تمام حیوانات سے جو کائنات ارضی پر پیدا کئے گئے ہیں ان کے ماسوا جنکو کتاب اللہ نے مخصوص طور پر حرام فرمایا ہے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے حتیٰ کہ ان کی کھالوں، بالوں، ریشوں، ہڈیوں تک سے انتفاع کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء امت نے جانوروں کے اجزاء جسمانی سے انتفاع بصورت علاج جائز قرار دیا ہے، ماسوا خنزیر (سؤر) کے، اس لئے کہ اسکو خود کتاب اللہ میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت سابقہ و دیگر آیات سے یہ ثابت ہے کہ انسان تمام ارضی و سماوی مخلوقات میں متصرف کی حیثیت رکھتا ہے اور کائنات کی ہر شئے انسانی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ انسان بذاتِ خود مال نہیں بلکہ دوسری تمام مخلوق اس کے حق میں مال کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی بنیاد پر امت کے فقہاء نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ انسان قیمتی مال نہیں، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب ہدایہ میں کہا گیا ہے: فنقول البیع بالمیتۃ والدم باطل وکذا بالحر لانعدام رکن البیع وھو مبادلۃ المال بالمال فان ھذہ الاشیاء لا تعد مالاً عند احد۔ اسی مقام کے حاشیہ میں کہا گیا ہے: ای ممن لہ دین سماوی۔ یعنی ہم کہتے ہیں کہ مردار اور خون کی بیع باطل ہوگی اسی طرح آزاد انسان کی بیع باطل ہوگی کیونکہ بیع کا رکن ان میں موجود نہیں اور وہ یہ کہ بیع میں مال کا تبادلہ مال سے ہو اور یہ اشیاء کسی کے نزدیک مال نہیں ہیں۔

حاشیہ میں لکھا ہے کہ کسی کے نزدیک مال نہیں۔ اس جملہ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو آسمانی دین رکھتے ہوں، یعنی اہل کتاب میں سے کسی کے نزدیک انکی مذہبی حیثیت سے یہ مال نہیں ہیں۔

پھر دوسرے مقام پر اسی مقام پر کہا گیا ہے: ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع بہ لان الآدمی مکرم لا متبذل فلا یجوز ان یکون شئ من اجزائہ مھاناً مبتذلاً۔ یعنی انسان بالوں کی خرید و فروخت اور ان سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ آدمی مکرّم ہے نہ قابلِ تذلیل لہذا یہ کسی طرح جائز نہ ہوگا کہ اس کے اجزاء میں سے کوئی جز قابلِ اہانت و تذلیل ہو۔ ہاں اگر انسان کی ذات میں تصرف کا حق کسی کو ہے تو وہ خود ذات خدا وند تبارک و تعالیٰ ہے۔ چنانچہ بعض حالات میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے تصرف فرماتے ہوئے دوسرے انسانوں کو اس تصرف کے نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ صرف ان مواقع میں انسان بحیثیت ایک وکیل کے وہ تصرف کرے گا، خواہ یہ تصرف جسمانی ایذا رسانی کی شکل میں ہو یا اس کے جسم و جان دونوں پر

دست اندازی کی صورت میں ہو۔ یا کسی دوسری صورت میں ہو۔ چنانچہ جب بھی ان حالات وعوارض کا اسکی ذات سے ازالہ ہوگا، انسان اپنی اصل فطرت کی جانب رجوع کر جائیگا۔ اس بیان کی وضاحت کیلئے آیات ذیل ملاحظہ فرمائیں: وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص۔ سورۃ مائدہ۔

یعنی ہم نے انسانوں پر آپس میں یہ لازم کر دیا ہے کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے عوض ناک، کان کے عوض کان، دانت کے بدلے دانت اور زخم لگانے میں قصاص (بدلہ) لیا جائے۔ اور فرمایا ہے: الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ۔ یعنی زانیہ عورت و زانی مرد ہر دو پر فرداً فرداً سو دُرّے لگائے جائیں۔ اور ارشاد ہے: ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات۔ سورۃ النساء۔ ۲۴۔ جو شخص تم سے آزاد پاکدامن عورت سے نکاح کرنیکی طاقت نہیں رکھتا تو وہ تم میں سے کسی کی مملوکہ مؤمنہ لونڈی سے نکاح کرے۔ اور فرمایا: ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً لا یقدر علی شئی الآیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک مملوک غلام کی مثال بیان کرتا ہے۔ جو کسی تصرف پہ قدرت نہیں رکھتا۔ (مالک نہیں ہوتا)

چنانچہ مذکورہ بالا آیات میں پہلی آیت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ انسان کے جسم و جان میں خود خداوند جل وعلا تصرف فرماتے ہوئے اس کے نفاذ کیلئے اپنے بندوں کو اپنی جانب سے اپنا نائب مقرر فرما رہے ہیں۔

دوسری آیت اس امر پہ دلالت کرتی ہے کہ کسی انسان کی جسمانی اذیت کی شکل میں تصرف کرنے کا حق بھی انسان کو اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے عطا کیا گیا ہے۔ خود انسان کو بذات خود کسی دوسرے انسان کے جسم کی اذیت رسانی کا حق حاصل نہیں۔ آخر کی دو آیات اس امر کی دلیل ہیں کہ انسان مرد ہو یا عورت اس کا کسی دوسرے انسان کا غلام یا لونڈی ہو کر مملوک ہونا بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب اور اس کے حکم و تصرف سے ہے۔ اور درحقیقت یہ اس امر کی سزا ہے کہ انسان خدا کی واحدانیت والوہیت کا انکار کرتے ہوئے خدا کے مقابلہ میں باغیانہ روش اختیار کرتا ہے۔ اور پھر خدا اور اس کے رسولوں پہ ایمان لانے والوں سے اس طرح مقاتلہ و مجادلہ کرتا ہے کہ اہل حق کی جان و مال اہل و عیال کچھ اس کے ہاتھ سے محفوظ نہیں رہتے۔ لہذا اسکی سزا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک وہ خلافت کے مرتبہ سے مردود قرار دیدیا جاتا ہے۔ اور پھر انسا

کے ماسواء کائنات کی دیگر اشیاء میں جن میں انسان کو ہر طرح تصرف کا حق دیا گیا، داخل ہو جاتا ہے۔

غور کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا: انی جاعلک للناس اماما۔ میں تم کو لوگوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں یا کر رہا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس موقعہ پر عرض کیا: قال ومن ذریتی۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اور میری اولاد میں سے۔؟ ارشاد خداوندی ہوا: لاینال عہدی الظالمین۔ ظالم انسانوں کے لئے میرا یہ وعدہ نہیں ہے۔

لیکن جب اور جس وقت انسان کی ذات سے خدا کے مقابلے میں بغاوت و شرک کی صفت کا ازالہ ہو گا اور اسکی بجائے صفت ایمان سے متصف ہو گا۔ وہ اپنی فطری حریت (آزادی) وحق مالکانہ کی جانب رجوع کر جائے گا اور اس امر کا مستحق ہو جائے گا کہ اس سے قبل اگر وہ کسی کا مملوک تھا، تو اب اسکو آزاد کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کے فقہاء نے بالاتفاق مسلم انسان کو غیر قیمتی مال قرار دیا ہے۔ یعنی دیگر اشیاء کی مثل اسکو مال کا درجہ نہیں دیا۔ علامہ سرخسی نے مبسوط میں لکھا ہے: اذا اشتری الرجل من الرجل عبدین صفقۃً واحدۃً بالف درہم فاذا احدہما حرٌ، فالبیع ماسدٌ فیہما، فاذالم یسمی لکل واحد منہما ثمناً فظاہر، لان الحر لایدخل فی العقد لان دخول الشئی فی العقد بصفۃ المالیۃ والتقوم وذلک لایوجد فی الحرّ۔ یعنی جب ایک شخص دوسرے شخص سے ایک معاملے بیع میں ۱ ہزار درہم سے میں مجموعی طور پر دو غلام خریدے۔ بعدہٗ ان دونوں غلاموں سے ایک حُر ثابت ہو تو دونوں میں بیع کا معاملہ فاسد ہو جائے گا، اور جس صورت میں ان دونوں غلاموں کی قیمت علیحدہ علیحدہ بیان نہ کی گئی ہو تو ظاہر ہے کہ یہ حکم مذکور بطریقہ اولیٰ مرتب ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حُر (آزاد انسان) بیع میں داخل نہیں ہو سکتا، کیونکہ عقد میں داخل ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ وہ شئی قیمتی مال ہو اور آزاد انسان میں یہ امر (قیمتی مال ہونا) موجود نہیں۔

نیز امام سرخسی نے شرح سیر کبیر میں فرمایا ہے: ثم المسلم مصلون عن اذلال الکافر ایاہ شرعاً وفی تبدیل صفۃ المالکیت الی المملوکیت اذلال وفی استخدامہ قہراً واستدامۃ الملک فیہ اذلال ایضاً فیصان المسلم عن ذلک بان یجبر الکافر علی بیعہ ۔۔ الخ۔

یعنی یہ جائز نہیں کہ کوئی مسلم کسی غیر مسلم کا غلام ہو سکے، اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلم پر قہراً وجبراً قابو حاصل کر کے اسکو غلام بنائے تب بھی یہ مسلم غلام نہ ہو گا، اور مسلمان حاکم یا مسلمانوں پر فرض ہو گا کہ اس غیر مسلم کے قبضہ سے اس مسلم کو چھڑا لیں۔ (باقی آئندہ) ■■

جناب اختر راہی۔ ایم اے

ابنِ مریمؑ

عہد نامۂ جدید کا انتخاب — ۹

حضرت عیسیٰؑ جو صحیفۂ ربانی لائے تھے اس کے بارے میں تاریخ بالکل ساکت ہے۔ ان کے رفع الی السماء کے بعد حواری عام عقیدہ کے مطابق ان کی واپسی کے منتظر تھے اور ان کے لئے جدائی نہایت شاق گذر رہی تھی۔ اس "انتظار" میں انجیل کی ترتیب و تدوین کی طرف توجہ دی جا سکی، بعد میں کلیسا غیر یہودی اور یہودی عناصر کی رزم گاہ بن گیا تو ہر ایک گروہ نے اپنے مقصد و مدعا کے مطابق انجیل کی ترتیب و تدوین شروع کر دی۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق اناجیل کی تعداد بڑھتے بڑھتے ۲۴ تک پہنچ گئی۔ یہ اناجیل درحقیقت حضرت عیسیٰؑ کی سوانح تھیں جو مروجہ روایات سے ماخوذ تھیں۔ اناجیل کی تعداد میں دن بدن اضافہ کلیسا کے لئے باعث پریشانی تھا۔ آخر شہنشاہِ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں NICAEA کے مقام پر ایک کانفرنس طلب کی تاکہ اناجیل کی بڑھتی ہوئی تعداد اور کلیسا کے اختلافات کو کم کیا جائے اور ایک مشترکہ مذہب رائج ہو۔ کانفرنس میں ۲۰۴۸ مندوبین نے شرکت کی لیکن بحث و جدال نے اس قدر طول کھینچا کہ ۱،۷۳۰ مندوبین کو کانفرنس سے باہر نکال دینا پڑا۔ ۳۰۸ جو باقی رہ گئے ان کے پاس بھی اناجیل میں ایک کو دوسری پر ترجیح کا کوئی معیار نہیں تھا۔ "انتخاب" کا حل یہ نکالا گیا کہ ایک رات جملہ کتابوں کو فرش پر بکھیر دیا گیا صبح آکر دیکھا تو چند کتابیں اور خطوط میز پر دھرے ہوئے تھے۔ ان صحائف کو مقدس سمجھ کر چن لیا گیا۔ اور باقی کو مسترد کر دیا گیا۔ کونسل کی روداد میں لکھا ہے کہ:

> "جو کچھ ان تین سو پادریوں نے بالاتفاق فیصلہ کر لیا اُسے خدا کی خوشنودی تصور کرنا چاہیئے۔ بالخصوص اس لئے کہ ان قابل ہستیوں کے دل میں روح القدس سمایا ہوا تھا جس نے ان کی خدا کی رضا کی طرف راہنمائی کی۔"

HISTORICAL VIEW OF THE COUNCIL OF NICAEA

— Rev. Issac Boyle

۳۹۴

یہ ہے عہد نامۂ جدید کا انتخاب، جس میں اناجیل اربعہ (متی، مرقس، لوقا، یوحنّا) رسولوں کے اعمال، پولوس، یعقوب، پطرس، یوحنا اور یہوداہ کے خطوط اور مکاشفات یوحنّا شامل ہیں۔

اناجیل اربعہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے حالات کا اہم ماخذ ہے، اور قرآنِ حکیم میں بھی ان کی زندگی کے کچھ خطوط ملتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کی مندرجہ ذیل صورتوں میں ان کا ذکر موجود ہے۔

البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، التوبہ، مریم، المؤمنون، الاحزاب، الشوریٰ الزخرف، الحدید اور الصف۔

حضرت مریمؑ | قرآنِ حکیم میں حضرت مریمؑ کی والدہ کو امراۃ عمرانؑ کہا گیا ہے۔ اور حضرت مریم کے لئے اخت ہارونؑ اور بنت عمرانؑ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ بعض مفسّرین نے "امراۃ عمران" سے مراد "عمران کی بیوی" لیا ہے۔ اور حضرت مریمؑ کا ایک بھائی ہارون نامی بتایا ہے۔ لیکن اس امر کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ مفسّرین کے دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ "عمران" حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ کے والد کا نام تھا جسے بائبل میں "عمرام" کہا گیا ہے۔ امراۃ عمران سے مراد آل عمران کی ایک عورت ہے۔ اس سلسلے میں یہ روایت بھی تقویت کا باعث بنتی ہے کہ حضرت یحییٰؑ کی والدہ اور حضرت مریمؑ کی والدہ باہم رشتہ کی بہنیں تھیں۔ انجیل لوقا میں ایک تصریح ہے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت ہارون کی اولاد سے تھیں۔

آج ہمارے پاس حضرت مریمؑ کا کوئی نسب نامہ نہیں لیکن اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ان کا تعلق بنی اسرائیل کے خاندانِ کہانت سے تھا اور کہانت کا تعلق حضرت ہارون کے خاندان سے تھا۔ اس لئے دوسری رائے ہی درست ہے۔ عربی زبان میں اب، اخ، اخت تمام الفاظ وسیع معنوں میں مستعمل ہیں۔

مسیحی روایات کے مطابق حضرت مریمؑ کی والدہ کا نام حنّہ (HANNAH) اور والد کا نام یہوآخیم (JOACHIM) ہے۔ ابن حیان اندلسی (م ۷۵۴ھ) نے اپنی تفسیر بحر المحیط میں لکھا ہے کہ شام میں ایک کلیسا، کلیسائے حنہ کے نام سے مشہور ہے اور ان کی قبر دمشق میں ہے۔ [۵]

یہود میں رسم چلی آرہی تھی کہ وہ اکثر اپنی اولاد کو ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کی خدمت اور مجاوری کے لئے وقف کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حنّہ نے اپنے ہونے والے فرزند کو ہیکل سلیمانی کی خدمت کیلئے وقف کر دیا لیکن جب فرزند کی بجائے حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں تو ان کی ماں نے بصد حسرت و یاس بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ آرزو لڑکے کی تھی لیکن لڑکی پیدا ہوئی۔ نذر کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟ یہودی قانون کے مطابق لڑکی

یہ خدمت انجام نہیں دے سکتی تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کو قبول کر لیا۔ لڑکی کا نام مریم رکھا گیا۔ سریانی زبان کے اس نام کا مطلب "خادم" ہے۔[۵]

تین سال کی عمر میں حضرت مریمؑ کو ہیکل پہنچا دیا گیا۔ ہیکل کے تمام خدام خوش تھے، ان میں سے ہر ایک حضرت مریمؑ کی کفالت کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ ان کی کفالت کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے۔ بالآخر قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام پڑا۔ زکریاؑ کا ذکر اناجیل اربعہ میں سے صرف لوقا نے کیا ہے۔

"یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں سے زکریا نام کا ایک کاہن تھا اور اسکی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے۔[۶]"

یہودی عبادت گاہوں میں عابدوں اور خدام کے لئے حجرے اور زاویے بنائے جاتے تھے۔ زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا اور یہیں ان کی پرورش ہوئی۔

ولادت عیسیٰؑ حضرت مریمؑ کی زندگی عبادت و ریاضت میں گزر رہی تھی۔ ایک روز حضرت مریم مسجد اقصیٰ کے مشرقی جانب بیٹھی تھیں کہ اچانک ایک بشر صورت نمودار ہوا۔ حضرت مریمؑ گھبرا گئیں اور کہا کہ اگر تو خدا ترس ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں۔ بشر صورت فرشتے نے کہا۔ "اے مریمؑ! گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میں خدا کا فرستادہ ہوں اور تجھے فرزند کی خوشخبری دیتا ہوں۔" یہ سنتے ہی حضرت مریمؑ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور اپنی حیرت کا اظہار یوں کیا: "مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکارہ ہوں۔" فرشتے نے کہا تیرے پروردگار کا حکم ایسا ہی ہے کہ تجھے لڑکا عطا کرے گا۔ اور اس لڑکے کو کائنات کے لئے "نشان" بنائے گا۔

یہودی روایات کے مطابق حضرت مریمؑ اس وقت کنواری اور ناکتخدا تھیں، البتہ ان کی منگنی قبیلہ آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی سے ہو چکی تھی جن کے ہاں چوب سازی کا کاروبار ہوتا تھا۔ انجیل کا بیان ہے کہ "جبریل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا، ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جسکی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔[۷]" متی کے بیان کے مطابق اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔[۸]

بشارت کے جلد ہی بعد مریم کو اس بچے کا حمل ہو گیا۔ دن جوں جوں گزرتے جا رہے تھے ان کے